☆ڈاکٹر حسن رضا (اقبالی)

اقبال کی فارسی شعر گوئی

Iqbal's Persian poetry

Abstract:

The Persian poetry of Allama Muhammad Iqbal is an extraordinary exposition of his poetical wisdom, philosophical thinking and his everlasting message for Ummah. When Allama Iqbal started to write in Persian, it was the language of many Muslim countries. Allama Iqbal opted Persian for his poetic creation due to three reasons; the natural aptitude of Allama Muhammad Iqbal, academic impact on his educational development and contemporary demand of the time. Allama Iqbal started writing in Persian in between 1896 to 1900. The one of important dimension of the Persian poetry of Allama Iqbal is his intuitional genius which is reflected in his Persian poetry more effectively than in Urdu. As when he was writing his early Urdu poems like "Spas Janab Amir", "Nalae Yateem", and "Shukriya Angushtary" the Persian verses were also a part of these poems. Maximum of his versus, written to deduct the death date of diseased, were written in Persian.The deep study of Persian literary and philosophical tradition during his PHD studies, he was furthermore engaged in profound study of Persian poetry. The mystical tradition of Persian Poetry had also

☆استاد، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج اوکاڑا

deep impact on Allama Muhammad Iqbal. That is why; his first book was written on the pattern of Masnavi of Boo Ali Qalandar.

Keywords: Iqbal, Persian poetry, Masnavi of Boo Ali Qalandar,

علامہ محمد اقبالؒ اُردو اور فارسی کے عظیم شاعر ہیں۔ ان کا کلام آفاقی و لافانی فکر کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے افکارِ عالیہ کے اظہار کے لیے فارسی زبان کا انتخاب کیا۔ انھوں نے ابتدا ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ اپنا پیغام یا فیضان اقوامِ عالم تک پہنچانے کے لیے فارسی کو ذریعۂ اظہار بنائیں اور اپنے افکار و خیالات کی دور تک رسائی کے لیے مناسب فضا پیدا کریں۔ کیوں کہ ان کا میلان شروع ہی سے فارسی کی طرف تھا، جس کے آثار ان کی اُردو شاعری میں شدت سے نمایاں ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ کیفیت و کمیت کے اعتبار سے ان کا فارسی کلام ان کے اُردو کلام پر حاوی ہے۔

عربی ادب سے انھیں دلی لگاؤ تھا لیکن عربی میں تحریر و تقریر کے مواقع شاذ ہی آئے۔ عربی کا دامن بھی اگرچہ علوم و معارف سے خالی نہ تھا لیکن فارسی زیادہ تر ادب کی زبان تھی۔ فارسی کا چرچا گھر گھر میں تھا۔ فارسی کے اثرات مقامی بولیوں میں سرایت کر چکے تھے۔ قصّہ پنجابی میں لکھا جاتا تھا، عنوان فارسی میں قائم ہوتے، لہٰذا ہندی ذہن عربی کی نسبت فارسی سے کہیں زیادہ قریب تھا۔ اُردو ادب نے بھی فارسی ہی کی آغوش میں تربیت پائی۔ اُردو ایک طرح سے فارسی کی ضمنی پیداوار ہے۔ فارسی شاعری میں علمی اور فلسفیانہ حقائق کا ابلاغ جس مخصوص، دل کش اور سلیس انداز میں ہوا، علامہ اس کے پردے میں اپنے خیالات اور تصورات کا اظہار بڑی سہولت اور آسانی سے کر سکتے تھے۔

علامہ نے کم سنی ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ کم سنی ہی میں انھیں موسیقی سے دلی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مبتدی شاعر سب سے پہلے ایک تخلص اختیار کرتا ہے۔ طبیعت حسن و جمال کی طرف مائل ہونے لگی۔ لطیف جذبات و احساسات جنم لینے لگے۔ زبان و تحریر میں ایک عالم کی سی جھلکیاں ظاہر ہونے لگیں۔ اقبال اپنی کتابوں پر عموماً انگریزی کی تحریر لکھا کرتے تھے۔ موسیقی اور فارسی شاعری سے رغبت کا ثبوت اقبال کی نویں جماعت کی درسی کتاب کی انگریزی نظم کے حواشی سے بھی ملتا ہے، جہاں انھوں نے راگ کے بول اور اس کے ساتھ اُردو، فارسی اساتذہ کے اشعار لکھے ہیں۔ شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ اور موزونی طبع کے باعث وہ سکول کی تعلیم کے دوران شعر کہنے لگے تھے۔ اقبال کی سب سے پرانی کتاب جس پر مندرجہ ذیل شعر انگریزی میں درج ہے نویں جماعت کی تھی۔

"Steel not the book for fear of shame

"Look down and see my powerful name

Mohammad Iqbal (۱)

"Reading in poetry" اس کتاب پر آپ نے راگ کے کچھ بول بھی تحریر کیے، اس کے نیچے ہی بیدلؔ، غالبؔ، ناسخؔ اور واقفؔ کے مختلف اشعار درج ہیں، جن سے فارسی شاعری کے ساتھ ذوق اور اس سے دلچسپی کا اندازہ ان کے زمانۂ طالبِ علمی ہی سے ہوتا ہے اور اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نویں جماعت ہی میں غالبؔ، بیدلؔ، ناسخؔ و واقفؔ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی اور اس کے احوال و واردات کی فلسفیانہ ترجمانی میں علامہ نے بھی غالبؔ کی طرح تھوڑے ہی دنوں میں گیسوئے اُردو کی شانہ کشی شروع کر دی لیکن اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی آپ ہی آپ ان کی زبان بن رہی تھی۔ فارسی کا حسن بیان فارسی کی لطافت، طرزِ گفتارِ دری کی شیرینی ایک سحر تھا جس نے حضرت علامہ کا دل موہ لیا۔

اقبال کی فارسی شاعری کا آغاز کب ہوا؟ کس عمر میں پہلا موزوں شعر کہا؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ محققین کے لیے یہ سوال بہت اہم رہا ہے۔ اس سلسلے میں سر عبد القادر اور سید نذیر نیازی کے متضاد بیانات ملتے ہیں جس سے علامہ کی فارسی شعر گوئی کے آغاز کا حتمی تعین قدرے دشوار ہے۔ اس ضمن میں علامہ کی فارسی شعر گوئی کے بعض فطری، اکتسابی اور حقیقی اسباب اور فارسی کلام کے ابتدائی آثار سے نتائج بر آمد کر کے یقیناً اس کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

بقول سید نذیر نیازی:

"فارسی میں شعر کہنے کا آغاز سیالکوٹ ہی میں ہو گیا ہو گا۔" (۲)

درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اُردو کے کلام میں پختگی و متانت آگئی ہوتی تو پھر وہ فارسی میں شعر کہنے کی طرف مائل ہو سکتے تھے۔ دوسرا یہ کہ زبان دہلی (۱۸۹۳ء تا ۱۸۹۵ء) کی غزلیں پڑھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اقبال نے ابھی فارسی میں شعر کہنا شروع نہیں کیا تھا، لہٰذا اقبال کے سیالکوٹ میں قیام کے دوران فارسی شعر گوئی کے آغاز کا بیان کسی طور پر درست نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس امر کی تائید میں سید نذیر نیازی نے کوئی سند پیش نہیں کی، جس سے حضرت علامہ کے سیالکوٹ میں فارسی شعر کہنے کی روایت کو تسلیم کیا جا سکے، اس لیے اسے قطعی طور پر درست نہیں تصور کیا جا سکتا۔

سر عبد القادر بانگِ درا کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں:

"مگر بظاہر جس چھوٹے سے واقعے سے ان کی فارسی گوئی کی ابتدا ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ (لندن میں ایک دوست کے ہاں مدعو تھے جہاں ان سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی اور پوچھا گیا کہ وہ فارسی شعر بھی کہتے ہیں یا نہیں۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ انھوں نے سوائے ایک آدھ شعر کبھی کہنے کے فارسی لکھنے کی کوشش نہیں کی مگر کچھ ایسا وقت تھا اور اس فرمائش نے ایسی تحریک ان کے دل میں پیدا کی کہ دعوت سے واپس آکر، بستر پر لیٹے ہوئے، باقی وقت وہ شاید فارسی اشعار کہتے رہے اور صبح اُٹھتے ہی جو مجھ سے ملے تو دو تازہ غزلیں فارسی میں تیار تھیں جو انھوں نے زبانی مجھے سنائیں۔ ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا جس کا پہلے انھوں نے اس طرح امتحان نہیں کیا تھا۔"(۳)

اصل حقیقت اس بیان سے مختلف ہے اور اس سلسلے میں علامہ نے کچھ تکلف اور کسرِ نفسی سے کام لیا ہے۔ ان کے بعض ایسے فارسی اشعار موجود ہیں جو انھوں نے ۱۹۰۵ء میں عازم انگلستان ہونے سے پہلے کہے ہیں۔ قیامِ انگلستان کے زمانے تک، ان کے کم از کم ایک سو فارسی اشعار تاحال محفوظ ہیں، (جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا)۔ اس واقعہ کی صحت سے انکار نہیں اور نہ اس بات سے انکار ہے کہ اس فرمائش سے متاثر ہو کر انھوں نے فارسی کی دو غزلیں اسی رات کہہ لیں مگر اس بات میں تأمّل ہے کہ ان کی فارسی شاعری کا آغاز ان غزلوں سے کیا جائے اس لیے کہ اس سے پہلے جو متفرق فارسی اشعار ان کے ہاں ملتے ہیں، ان میں بھی روانی، برجستگی اور صفائی کم نہیں ہے۔

رہا یہ کہ جب انگلستان میں علامہ اقبال سے فارسی اشعار سنانے کی فرمائش ہوئی تو گمان یہ ہے کہ اس مجلس میں احباب کی ذہنی فضا تقاضائے غزل کر رہی تھی۔ اس وقت تک ممکن ہے فارسی میں غزل نہ کہی ہو اور اگر کہی ہو تو اسے وہاں سنانے کے لائق نہ جانا ہو اور پنڈ چھڑانے کے لیے کہہ دیا ہو کہ "میں نے فارسی میں ایک آدھ شعر ہی کہا ہو گا۔" ورنہ علامہ اقبال کے اس بیان کو سر عبدالقادر کیوں تسلیم کر لیتے جو خود "مخزن" میں ان کے فارسی اشعار شائع کر چکے تھے۔ بہر حال اس واقعہ سے یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات معاصر اہل قلم بلکہ قریبی احباب کی تصریحات بھی غلط فہمی پیدا کر دیتی ہیں اور چھان پھٹک چاہتی ہیں۔

سر عبد القادر نے جن دو غزلوں کا ذکر کیا ہے کہ علامہ اقبال نے انگلستان میں مذکورہ بالا دعوت کے بعد رات کے باقی حصے میں رقم کیں 'معلوم نہیں وہ کون سی غزلیں تھیں۔ کاش ان کا کوئی شعر درج ہو جاتا، تاہم ایک غزل ہمیں مل جاتی ہے جو علامہ اقبال نے ۲۴؍اپریل ۱۹۰۷ء کے مورخہ مکتوب میں عطیہ بیگم کے نام درج کی ہے ہو سکتا یہ غزل ان دو غزلوں میں سے ایک ہو۔ غزل کے جلو میں یہ عبارت ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ایک نظم بھیج رہا ہوں، جس کے بھیجنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ اسے غور سے پڑھیں گی اور اپنی تنقید سے مجھے مطلع کریں گی۔

اے گل زخارِ آرزو آزاد چوں رسیدہ

توہم زخاک ایں چمن مانند دمیدہ(۴)

ہم اگر اس غزل کو پہلی غزل نہیں کہہ سکتے تو اسے چند اولین غزلوں میں شمار کر سکتے ہیں۔ مذکورہ بالا غزل اپریل ۱۹۰۷ء کے مرقومہ ایک خط کا حصہ ہے، جب علامہ اقبال یورپ میں تھے۔ ان کی یورپ سے واپسی ۱۹۰۸ء میں ہوئی اور پھر بقول سر عبد القادر ان کی طبیعت کا رجحان یا رُخ فارسی کی طرف ہو گیا۔ دوسری فارسی غزل جو عطیہ کو نہیں بھیجی وہ یہ تھی؛

اے گل زخارِ آرزو آزاد چوں رسیدہ

توہم زخاک ایں چمن مانند دمیدہ(۴)

ظاہر ہے کہ ۱۹۰۸ء کے بعد ان کی شاعری کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس عرصے میں بعض اُردو نظمیں بھی کہیں جو کہ عوام میں بے حد مقبول ہوئیں۔ سر عبد القادر غزلوں کا صرف ذکر ہی کر کے رہ گئے۔ یہ نہیں بتایا کہ وہ غزلیں کون سی ہیں اور پھر بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس دن سے جو انھوں نے فارسی لکھنا شروع کی تو برابر فارسی ہی میں لکھتے رہے بلکہ خلاف اس کے یہ ثابت ہے کہ وہ اس کے بعد بھی اُردو میں شعر کہتے رہے اور "شکوہ، جوابِ شکوہ" اور "خضرِ راہ" وغیرہ سب ولایت سے آنے کے بعد کی نظمیں ہیں اور ان کے مقابلے میں اس زمانے کی فارسی غزلوں اور نظموں کا پتہ نہیں چلتا۔ نیز اقبال جیسی بلند مرتبہ شخصیت کے بارے میں یہ بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس وقتی فرمائش سے ایسے متاثر ہوئے کہ بغیر کسی تعینِ مقصد کے محض اس خفت کے اثر سے جو اس دن ان کو اٹھانا پڑی، فارسی میں شعر کہنے لگے۔

اس طرح یہ بات بھی محل نظر ہے کہ "ان غزلوں کے کہنے سے انھیں اپنی فارسی گوئی کی قوت کا حال معلوم ہوا۔" اس لیے کہ اس سے پہلے کے فارسی اشعار کی روانی و شگفتگی بتاتی ہے کہ ان اشعار کے کہنے کے بعد ہی ان کو اپنی فارسی گوئی کی صلاحیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ بات

اصل میں یہ ہے کہ فارسی گوئی کا باعث محض وہ مذکورہ صدر واقعہ نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں جیسا کہ خود سر عبد القادر نے مقدمہ ہی میں لکھا ہے:

" فارسی میں شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہو گی، اور میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنی کتاب "حالات تصوف" کے متعلق لکھنے کے لیے جو کتب بینی کی، اس کو بھی ضرور اس تغیرِ مذاق میں دخل ہو گا۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کا مطالعہ علمِ فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا تو انھوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلے میں اُردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اُردو میں فقرے ڈھالنے آسان نہیں، اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔" (۶)

سر عبد القادر کے اس بیان کی تائید میں اقبال کے اشعار بھی موجود ہیں۔

"اسرارِ خودی" میں فرماتے ہیں :

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است
طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است
پارسی از رفعتِ اندیشہ ام
درخورد با فطرتِ اندیشہ ام(۷)

سر عبد القادر اور دوسرے حضرات کا یہ کہنا ہے کہ دقیق خیالات کا اظہار اُردو کے ذریعے نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ اُردو کا سرمایہ فارسی کے مقابلہ میں کم ہے، اس لیے انھوں نے فارسی میں شعر کہنا شروع کر دیا، کیونکر درست ہو سکتا ہے، جب کہ اقبال ولایت سے واپس آنے کے بعد بھی اُردو سے دست بردار نہیں ہوئے، بلکہ اُردو میں یکے بعد دیگرے ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں اور ان میں تقریباً وہ تمام فلسفیانہ اور عارفانہ خیالات بھی موجود ہیں، جو فارسی میں کسی قدر تفصیل و ترتیب کے ساتھ ادا ہوئے، یعنی ان کے موضوعات میں سے کوئی موضوع ایسا نہیں جو اُردو شعری مجموعوں میں متعدد اسالیب کے ساتھ بیان نہ ہو گیا ہو۔

شیخ عبد القادر کے اس بیان کے مطابق؛

" فارسی شعر کہنے کی رغبت اقبال کی طبیعت میں کئی اسباب سے پیدا ہوئی ہوگی۔ "(۸)

کسی حد تک درست ہے۔ کئی اسباب سے ان کی مراد فطری، اکتسابی اور حقیقی اسباب ہو سکتے ہیں، تاہم اقبال کی فارسی زبان سے وابستگی اور شعر گوئی کے میلان ورجحان کے تعین کو انھی اسباب سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

فطری اسباب یہ ہیں علامہ کے فارسی زبان سے تعلق اور فطری لگاؤ کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ فارسی ان کی موروثی زبان تھی اوران کا یہ فطری رجحان ان کی گوت "سپرو" کے نام سے موسوم ہونے کے پس منظر سے کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ علامہ کشمیری برہمن کے جس قدیم پنڈت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس کی گوت "سپرو" تھی۔ گوت "سپرو" کے حامل کشمیری پنڈت اعلیٰ درجہ کا سیاسی فہم رکھنے کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے، لیکن یہ حسنِ اتفاق معنی خیز ہے کہ اُن کا سلسلۂ نسب برہمنوں کی اس شاخ سے ملتا ہے جس نے کشمیر کے ہر دل عزیز بادشاہ سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ(۱۴۲۱ء۔۱۴۶۹ء) کے دور میں فارسی سیکھی اور اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوئی۔ اُن کے ایک جدّ شیخ محمد رمضان نے فارسی تصوف پر متعدد کتابیں تالیف کیں۔ شیخ نور محمد اُردو اور فارسی کی کتابیں پڑھ لیتے تھے۔ کلامِ اقبال بھی اُن کے زیرِ مطالعہ رہتا۔ شعر سے انھیں فطری رغبت تھی اور کبھی کبھار خود بھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔(۹)

کشمیریوں کو فارسی کے ساتھ فطری تعلق رہا ہے، اس لیے کہ شاہانِ مغلیہ کے زمانے میں کشمیر بھی فارسی شاعری کا اچھا خاصا مرکز بن گیا تھا۔ چنانچہ ملا طاہر غنی، علی قلی سلیم اور ملا غنیمت جو اپنی شہرت و مقبولیت میں اس زمانے کے کسی ایرانی شاعر سے کم نہیں، کشمیر ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو گھرانے صدیوں سے کشمیر سے باہر آباد ہیں، وہ بھی فارسی سے تعلق رکھنا اپنی قومی روایات میں داخل سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ فارسی ہی کی نسبت سے اُردو کو بھی اپناتے رہے۔ یہی فطری تعلق ہے، جس کی وجہ سے اقبال کو بھی ابتدا ہی سے فارسی کی طرف رغبت رہی اور انھوں نے بڑے شوق سے اس زبان کو سیکھا اور بڑے انہماک کے ساتھ فارسی شعرا کے کلام کا مطالعہ کیا۔

اکتسابی اسباب یہ ہیں کئی برس پہلے تک ہندوستان میں مکتبوں کا جال بچھا ہوا تھا اور بعض مکتبوں میں اچھے اچھے صاحبانِ کمال اپنے ذوقِ علمی کے تقاضے سے درس دیا کرتے تھے اور ان مکتبوں میں عربی و فارسی کی تعلیم ہوتی تھی۔ اقبال کی ابتدائی تعلیم بھی مکتب میں ہوئی اور ان کو بھی قدیم وضع کے ایسے ہی استادوں سے پڑھنے کا موقع ملا، جو عربی کے ساتھ ساتھ فارسی ادبیات کے بھی قائل تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں؛

"لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ اقبال کو فارسی کیوں کر آگئی جب کہ اس نے اسکول یا کالج میں یہ زبان نہیں پڑھی۔ انھیں یہ نہیں معلوم کہ میں نے فارسی زبان کی تحصیل کے لیے اسکول ہی کے زمانے میں کس قدر محنت اٹھائی اور کتنے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ "(۱۰)

۱۸۸۵ء میں پہلی جماعت پاس کر کے وہ مولوی سید میر حسن سے پرائیویٹ طور پر گھر میں پڑھنے لگے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ نے ۱۸۸۵ء میں پہلی جماعت سے فارسی زبان کی تحصیل کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ۱۸۸۶ء میں دوسری اور تیسری جماعت میں بھی فارسی پڑھی۔ تیسری جماعت میں علامہ نے فارسی کی پہلی اور دوسری کتاب مولوی میر حسن سے پڑھی۔ ۱۸۸۷ء میں چوتھی جماعت میں بھی فارسی کی گرائمر پر عبور حاصل کر لیا تھا اور پانچویں جماعت میں بھی مزید فارسی کا نظم و نثر انتخاب، گرائمر، ترکیب نحوی اور ترجمہ پڑھا۔ ۱۸۸۸ء میں اقبال کو پہلی بار جماعت میں براہِ راست مولوی میر حسن سے اُردو، فارسی اور عربی پڑھنے کا موقع ملا۔ ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں تک فارسی زبان کے نثری اور شعری متون پر خاصا عبور حاصل ہو چکا تھا۔ "فارسی میں میری رسمی تعلیم صرف میٹرک تک ہے یا اس سے پہلے کچھ مکتبوں میں پڑھی تھی۔ "(۱۱)

گیارہویں، بارہویں کلاس میں اقبال نے فارسی کی جگہ انگریزی، ریاضی اور عربیؔ اسپشل مضمون فلاسفی لیا۔ یعنی اقبال نے پہلی جماعت (۱۸۸۵ء) سے دسویں جماعت (۱۸۹۳ء) تک صرف فارسی پڑھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال نے فارسی میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ اس کے بعد انھوں نے فارسی کی جگہ فلاسفی بطور مضمون رکھ لیا۔ اس سلسلہ میں ان کے ہم جماعت فضل الٰہی کی دختر بیگم سلمیٰ تصدق حسین اپنے ایک مکتوب میں فرماتی ہیں:

"والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ علامہ اقبال میرے کلاس فیلو تھے اور حساب میں کمزور تھے، اس لیے مجھے حساب میں ان کی مدد کا شرف حاصل ہوا اور فارسی ان کا محبوب مضمون تھا، اس لیے میں ان سے استفادہ کرتا تھا۔ "(۱۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علامہ نے فارسی میں کب شعر کہنے شروع کیے۔ سیالکوٹ کے زمانے میں اقبال کے ذوقِ شعری کی تربیت میں مولانا میر حسن کا خاصہ حصہ ہے۔ اقبال مولانا میر حسن کے ذریعے ہی فارسی شاعری کی روایت سے واقف ہوئے۔ علامہ اقبال نے ایک شعر میں بڑے واضح الفاظ میں میر حسن سے فیض یاب ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

مجھے اقبال اس سیّد کے گھر سے فیض پہنچا ہے

(۱۳) پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں

اقبال 'شاطر مدارسی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مولوی میر حسن بڑے بزرگ عالم اور شعر فہم ہیں، میں نے انھی سے اکتساب فیض کیا ہے۔"(۱۴)

علامہ نے فارسی اور عربی زبان و ادب کی تحصیل کے لیے مولوی میر حسن کے حضور زانوئے تلمذ تہِ کیا تھا۔ سید صاحب نے انھیں عربی اور فارسی اس طرح پڑھائی کہ ان کی طبیعت میں رچ بس گئی۔

بقول سر عبد القادر:

"ان (سید میر حسن) کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے ان کی طبیعت میں علم و ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی، سونے پر سہاگہ ہو گیا۔"(۱۵)

علامہ نے دورانِ طالب علمی اس زمانے کے معمول کے مطابق شاہ صاحب سے گلستانِ سعدی، بوستانِ سعدی، سکندر نامہ (حکیم نظامی گنجوی)، انوار سہیلی اور تصانیف ظہوری کا درس لیا۔ اندازِ تدریس سے قطع نظر کر کے یہ کوشش کی کہ ان کے دل میں فارسی ادب کا احترام پیدا ہو جائے اور نتیجہ اس ذوقِ سلیم کی تربیت ہو، جس کے بغیر مطالعہ بالکل بے کار اور بے ثمر ہوتا ہے۔

مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے بقول:

"عربی، فارسی زبان دانی کی درس گاہ تھی۔ میر حسن فارسی کے جیّد عالم تھے اور فارسی شعر و ادب کا رچا ہوا ذوق رکھتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر جمشید علی راٹھور کا بیان ہے کہ ذاتی طور پر انھیں خواجہ حافظ کا دیوان، مولانا روم کی مثنوی، نظامی کا سکندر نامہ اور عرفی کے قصائد زیادہ پسندیدہ تھے۔ انھیں ہزاروں اشعار نوکِ زبان تھے، بات بات پر شعر پڑھتے اور دوران تدریس بر محل اشعار سناتے۔ مکتب اور سکول کے اوقات کے بعد بھی، اقبال کا زیادہ تر وقت میر حسن کی صحبت میں گزرتا تھا، جنھوں نے اقبال کی طبیعت میں فارسی شاعری کا ذوق پختہ کر دیا۔ اقبال ان سے اکتسابِ فیض کے معترف ہیں۔ "(۱۶)

اقبال کے بچپن کے ایک دوست "دینو" کا بیان ہے:

"اقبال کو فارسی زبان سے بہت زیادہ دل چسپی تھی۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے گلستان و بوستان نہ صرف ازبر کر لی تھیں بلکہ وہ ہمیں اپنی قوتِ حافظہ کی بدولت فارسی کی ان دونوں کتابوں سے سبق پڑھایا کرتا تھا۔۔۔ اقبال ہمیں اُردو اور فارسی کی نظمیں جھوم جھوم کر سنایا کرتے تھے۔"(۱۷)

اقبال کو کالج کے اوقات کے علاوہ بھی مولوی صاحب کی صحبت میں رہنے کا کافی موقع ملا بلکہ وہ اپنا کلام بھی بغرض اصلاح ان کو دکھلاتے تھے۔ انگلستان کے زمانۂ قیام میں ڈاکٹر نکلسن اور مسٹر براؤن سے بہت زیادہ تعلق بڑھ گیا اور یہ دونوں اصحاب فارسی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، لہٰذا ان کے اثر صحبت سے بھی اقبال کے فارسی زبان کے میلان میں اضافہ ہوا۔ جب ان کو یورپ میں اپنے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے (ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقا) کے لیے فارسی ادب کا مطالعہ کرنا پڑا تو اس مطالعہ سے اس مذاق میں اور اضافہ ہوا اور اس تحقیقی مطالعہ سے جیسا کہ مولوی عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:

"معلوم ہوا کہ فلسفیانہ اور صوفیانہ خیالات کے ادا کرنے کے لیے دنیا کی زبانوں میں فارسی زبان سے بہتر کوئی زبان نہیں۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے اور عربی شعرا کی کثرت کا شمار نہیں بایں ہمہ عربی شاعری فلسفہ و تصوف سے بالکل تہی دامن ہے۔"(۱۸)

غرض یہ کہ یہی وہ فطری و اکتسابی اثرات ہیں، جو ان کے کلام میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے رہے۔

فارسی گوئی کا حقیقی سبب یہ تھا کہ علامہ اقبال اپنے پیغام کو وسیع تر ذریعۂ ابلاغ فراہم کرنے کے لیے حکیمانہ خیالات کے اظہار کے لیے فارسی کی طرف مائل تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فارسی زبان میں حکیمانہ اور بالخصوص صوفیانہ افکار صدیوں سے نظم ہوتے چلے آئے تھے' اس لیے فارسی میں ان کے اظہار کے لیے مناسب اصطلاحات اور موزوں اسلوب بیان پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ اُردو شاعری کی عمر بھی کئی سو سال ہو چکی تھی مگر اس میں اکثر و بیشتر رسمی عاشقانہ شاعری کے بیان کی طرف رجحان تھا۔ تصوف اور اخلاق کے جو مضامین تھے وہ اکثر فارسی ہی سے ماخوذ تھے اور خود اُردو کے شاعر جب اس قسم کے فکری موضوعات کی طرف توجہ کرتے تھے تو فارسی کی دستگیری کے بغیر قدم اٹھانا ان کے لیے دشوار ہوتا۔ اس قسم کی ایک واضح مثال اُردو میں مرزا غالب کی ہے کہ ان کے اُردو کلام کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کی شاعری کا سلسلہ افکار و خیالات، علامات و اشارات، استعارات و تشبیہات اور تراکیب کے اعتبار سے بجائے اُردو کے فارسی کی روایات سے ملتا ہے۔ ان حالات میں علامہ اقبال کا فارسی کی طرف زیادہ متوجہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

علامہ اقبال پیدائشی شاعر تھے۔ ان کی شاعری الہامی اور وہبی تھی، جو انھیں فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی۔ وہ آج کل کے خود ساختہ شاعروں کی طرح شعر "بناتے" نہ تھے بلکہ اشعار اُن پر نازل ہوتے تھے۔ ان کی فارسی شعر گوئی کا حقیقی سبب، ان پر فارسی اشعار کا الہام ہونا ہے۔ ان کے بعض احباب کی روایات اور خود علامہ کے بعض بیانات سے اس اَمر کی تائید ہوتی ہے، جس کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:۔

ا۔ "جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اُترنے لگتے ہیں اور میں انھیں بعینہٖ نقل کرلیتا ہوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے ان اشعار میں کوئی ترمیم کرنا چاہی لیکن میری ترمیم اصل اور ابتدائی نازل شدہ شعر کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آئی اور میں نے شعر کو جوں کا توں برقرار رکھا۔"(۱۹)

۲۔ "شعری تجربے کے دوران میں، میں نے اکثر اسے (شعر کو) غور و فکر کے ذریعے سمجھنے اور گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے ، لیکن جیسے ہی میں اپنی کیفیت کا تجزیہ شروع کرتا ہوں، وہ روانی اور الہام کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔)"(۲۰)

۳۔ "سال میں چار پانچ ماہ تک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں ایک خاص قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بلا ارادہ شعر کہتا رہتا ہوں مگر زیادہ تر طبیعت کا رجحان شعر گوئی کی طرف ہوتا ہے۔ ان دنوں عموماً رات کو شعر گوئی کے لیے بیدار رہنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔ میں نے زیادہ سے زیادہ ایک رات میں تین سو اشعار کہے ہیں۔ چار پانچ ماہ کے بعد یہ قوت ختم ہو جاتی ہے تو غور و فکر کے بعد کچھ شعر کہے جاسکتے ہیں مگر یہ "آورد" ہوتی ہے اور وہ "آمد" دونوں کے کہے ہوئے اشعار میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ "(۲۱)

۴۔ ڈاکٹر تاثیر کہتے ہیں کہ: "(ایک شام ہم چار، تاثیر چغتائی اور ان کے دو بھائی حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے) اور علامہ سے کہا کہ اُردو میں آپ نے دیر سے نہیں لکھا، اُردو بحیثیت زبان کے مستحق امداد ہے۔ اُردو دان لوگ بحیثیت ہم قوم ہونے کے پیغامِ اقبال سننے کے مستحق ہیں، مسلمانانِ ہند کو کون اُبھارے گا؟، کارواں کے نکالنے کا آپ ہی نے مشورہ دیا تھا۔ آپ کا غیر مطبوعہ اُردو کلام نہ ہوا تو ہماری نیاز مندی لوگوں کی نظروں میں مشکوک ٹھہرے گی۔ ہم کچھ نہ کچھ لے کے ٹلیں گے۔ حضرت علامہ بستر پر لیٹے ہوئے یہ سب کچھ سُن رہے تھے اور مسکرا رہے تھے اور کہنے لگے "اُردو میں شعر نازل ہی نہیں ہوتے۔ "(۲۲)

۵۔ سر عبدالقادر کہتے ہیں کہ "میں نے ایک زمانے میں انھیں کبھی کاغذ لے کر فکرِ سخن کرتے نہیں دیکھا، موزوں الفاظ کا دریا بہتا، ایک چشمہ اُبلتا ہوا معلوم ہوتا۔ ایک خاص کیفیت رقت کی ان پر طاری ہو جاتی تھی۔ اپنے اشعار سریلی آواز میں ترنم سے پڑھتے تھے۔ خود وجد کرتے، دوسروں کو وجد میں لاتے، یہ عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا تھا کہ جتنے اشعار زبان سے نکلتے اگر وہ ایک سلسلہ نظم کے ہوں تو سب

کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے حافظے میں محفوظ ہوتے۔ بایں ہمہ موزوں طبع وہ حسبِ فرمائش شعر کہنے سے قاصر تھے۔ پھر بھی والد صاحب کی فرمائش پر ایک بار تین شعر کہہ ڈالے۔"(۲۳)

۶۔ مرزا جلال احمد فرماتے ہیں "فیضانی لمحات کا تعلق زیادہ تر آخر شب یا فجر سے ہوتا ہے اور ان کی شدت کا یہ عالم کہ جب تک شعر نہ ہو جائیں طبیعت کو تسکین نہیں ہوتی۔ بعینہٖ جیسے ہماری طبعی اور فطری تحریکات کہ ہم انھیں روک نہیں سکتے۔ وہ اپنا تقاضا پورا کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا "بعض اوقات خواب میں بھی اشعار ہو جاتے ہیں۔"(۲۴)

۷۔ ایک موقع پر ایف سی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے آپ سے پوچھا "اقبال! مجھے بتاؤ کہ تمہارے پیغمبرؐ پر قرآنِ کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا اور چونکہ انھیں صرف عربی زبان آتی تھی، انھوں نے قرآنِ کریم عربی میں منتقل کر دیا، یا یہ عبارت ہی اس طرح اُتری تھی؟" آپ نے فرمایا "یہ عبارت ہی اُتری تھی!" ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا۔ "اقبال! تم جیسا پڑھا لکھا آدمی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ عبارت ہی اس طرح اُتری ہے۔" آپ نے فرمایا" ڈاکٹر لوکس! یقین؟ میرا تجربہ ہے کہ مجھ پر پورا شعر اُترتا ہے تو پیغمبر ﷺ پر عبارت کیوں نہیں اُتری ہو گی؟"(۲۵)

۸۔ حمید احمد خان لکھتے ہیں: "ایک مرتبہ میں نے ہمت کر کے ڈاکٹر صاحب سے یہ "جرح" کر ڈالی کہ آپ نے اُردو میں لکھنا بالکل ترک کر دیا ہے۔ فارسی میں لکھنا بجا، مگر اُردو کا بھی تو کچھ حق تھا۔ ڈاکٹر صاحب میری اس جسارت پر تھوڑی دیر خاموش رہے بالآخر انھوں نے انگریزی میں فرمایا "It comes to me in persion." (مجھ پر شعر وارد ہی فارسی میں ہوتا ہے) "(۲۶)

مندرجہ بالا اقتباسات سے اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ فارسی شعر گوئی کا حقیقی سبب فارسی زبان میں شعر کا اُن پر وارد ہونا ٹھہرتا ہے' علامہ اقبال چونکہ الہامی شاعر تھے، اس لیے وہ اس وقت شعر کہتے، جب ان پر خاص کیفیت طاری ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے وارداتِ قلبی کسی زحمت و تکلف کے بغیر فارسی اشعار کے قالب میں ڈھلتے چلے جاتے تھے اور اسی نقطۂ نظر سے علامہ اقبال کی شاعری "شاعری جزویست از پیغمبری" (۲۷) کے مصداق تھی۔

جس طرح ان کی اُردو شاعری کی ابتدا سیالکوٹ میں نہایت خوبی سے ہوئی۔ اس طرح فارسی میں شعر کہنے کا آغاز لاہور میں ہوا' اقبال نے مولوی میر حسن سے سیالکوٹ ہی میں فارسی زبان و ادب کے اساتذہ کے کلام کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا' جس کی بدولت علامہ میں فارسی شعر گوئی کا ذوق پروان چڑھا اور مزید فارسی شعر گوئی کی طرف اُن کی دلچسپی بڑھتی گئی کہ ایک ایسی زبان میں جس سے انھیں فطری

مناسبت تھی، شاید وہ ابتداء میں محض شوقیہ فارسی اشعار کہتے ہوں یا پھر فطری مناسبت آپ ہی آپ فارسی میں شعر کہلوانے لگی ہو مگر علامہ اقبال ابتداء میں ان اشعار کو کوئی خاص اہمیت نہ دیتے، بہت کم احباب سے اس کا ذکر کرتے، یوں بھی شاعروں کی زبان اُردو تھی اور مشاعروں میں بھی وہ اُردو کلام ہی سناتے۔ مشکل البتہ یہ ہے کہ ان کا ابتدائی کلام تلف ہو چکا ہے، بہت کم محفوظ ہے، زماناً اس کا تعین بھی ممکن نہیں پھر بھی شعر گوئی کا آغاز ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۰ء تک ہوا جب ان کی شاعری اس مرحلہ پر داخل ہو گئی کہ جس کو ان کے ابتدائی کلام کی تمہید تصور کرنا چاہیے۔

ستمبر ۱۸۹۵ء میں لاہور میں قیام کے ابتدائی زمانہ میں ہوسٹل کی اقامتی زندگی کے دوران ساتھی طالب علموں کی رفاقت میں شعر و ادب کے رجحان میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ لاہور کے تاریخی ماحول اور اندرون بھاٹی دروازے کی شعری مجلسوں نے اپنارنگ دکھانا شروع کیا۔ کالج کے اندر اور باہر کی علمی اور ادبی سماجی مجالس سے علامہ کا رابطہ قائم ہوا۔ چنانچہ اقبالؒ نے ۱۸۹۶ء میں "انجمن کشمیری مسلمانان" کے ایک جلسے میں "فلاح قوم" (۲۸) کے عنوان سے ایک نظم پڑھی جس میں خاقانی کے قصیدے کی پیروی کی گئی ہے۔ اس میں فارسیت کے ابتدائی آثار ملتے ہیں۔ اقبال اس نظم کے قوافی، محزوں، زبوں، قشوں، کانوں، سیحوں، مشحوں، واژوں، مکنوں، جیحوں، مصوّں، مفتوں، گلگوں، خاقانی کے قصیدے کے مثل لائے ہیں۔ اس کی بند شیں اور بعض آدھ مصرعے فارسی سے مملو ہیں اور اس میں فارسی تراکیب کا جابجا استعمال ملتا ہے مثلاً زلفِ رہِ شکر ایزد بے چوں، شکرِ خدائے "کن فیکون"، پئے قصرِ قوم، مثلِ ستوں وغیرہ۔

انھیں ابھی خیال ہی نہیں تھا کہ ان کے دل میں جس قسم کے خیال اُبھر رہے ہیں، جذبات کا جو انداز ہے، اُردو کی تنگنائے غزل میں اتنی وسعت نہیں کہ بقدرِ شوق اس کا متحمل ہو سکے، وہ اس میں فکر و وجدان کا اظہار کر سکیں، اس لیے انھیں بالآخر فارسی ہی کا کہ "درخور فطرت اندیشہ" ہے، رُخ کرنا پڑا۔ شاعری کے ابتدائی دور میں بھی ان کے کلام میں فارسی کا عمل دخل بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ یوں بھی شعر کہتے تو ان کا ذہن فارسی شاعری کے اساتذہ کی طرف منتقل ہو جاتا۔ خاقانی ایسے مشکل پسند اور فلسفہ مزاج شاعر کی طرح فارسی کے اساتذۂ سخن کا مطالعہ وہ بہت پہلے کر چکے تھے۔ لہٰذا ۱۸۹۶ء یا ۱۸۹۷ء میں ان کا کہنا، "لاکھ سر تاج سخن ناظم شرواں ہو گا" اس اَمر کی دلیل ہے کہ انھیں فارسی زبان پر کس قدر عبور حاصل تھا۔ خاقانی کا مطالعہ انھوں نے کس گہری نظر سے کیا تھا اس کا اندازہ ۹۷۔۱۸۹۶ء کی ایک غزل سے بھی ہوتا ہے، جو فی البدیہہ کہی گئی۔

لاکھ سرتاج سخن ناظمِ شرواں ہو گا

پر مرے سامنے اِک طفلِ دبستاں ہو گا (۲۹)

دراصل ان کی فلسفیانہ طبیعت کو جس پیکر کی تلاش تھی، فارسی میں ہی مل سکتا تھا۔ فارسی ہی سے ان کی طبعی مناسبت میں مرزا غالبؔ کی طرح انھیں مجبور کر دیا کہ فارسی زبان کی تشبیہوں اور استعاروں، عربی اور فارسی کی تلمیحات سے کام لیں۔ ایسی ایسی تراکیب اور اصطلاحات وضع کریں، جن کے بغیر ناممکن تھا کہ وہ اُردو میں اپنے احوال وواردات کی ترجمانی کر سکتے۔ ان کے افکار و جذبات قلب کو ایک نئے پیکر کی تلاش تھی۔ یہ نیا پیکر فارسی کی بدولت میسر آیا، جس سے رفتہ رفتہ اُردو شاعری کو ایک ایسی زبان عطا ہوئی، جو بیک وقت فلسفیانہ بھی تھی اور شاعرانہ بھی، جس کی لطافت اور شیرینی، جس کے حسنِ بیان اور ندرت اسلوب پر نہ صرف اُردو بلکہ ادب عالم کو ناز رہے گا اور اس دور میں بھی وہ فلسفیانہ تصورات جن کی باقاعدہ تشکیل بہت آگے چل کر ہوئی، ان کے دل و دماغ کو چھیڑ رہے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ خودی ان کا بنیادی تصور ہے ۔خودی کا تصور ابتدا ہی سے ان کے ذہن میں ابھر رہا تھا۔

۱۸۹۴ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۸۹۷ء ہی میں علامہ محمد اقبال نے فی البدیہ ایک غزل کہی جس کا مطلع اوپر آچکا ہے لیکن ان کا یہ شعر بالخصوص توجہ طلب ہے۔

مردِ مومن کی نشانی باتو گویم

(۳۰)چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

علیٰ ہٰذا یہ شعر

جو وفا پیشہ سمجھتا ہے خودی کو ایماں

(۳۱)جنتی ہو گا، فرشتوں میں نمایاں ہو گا

یہ غزل ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۷ کی ہے۔ اب خیالات اور جذبات کا معاملہ یہ ہے کہ ذہن انسانی میں ان کی پرورش تو ہوتی رہتی ہے، باقاعدہ اظہار کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خودی کا تصور ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۷ء ہی میں علامہ کے ذہن میں موجود تھا۔ قطع نظر اس سے کہ کس رنگ میں تھا۔ بو علی شاہ قلندر کا مطالعہ انھوں نے سیالکوٹ ہی میں کر لیا ہو گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد ماجد کو حضرت بو علی قلندر سے خاص عقیدت تھی۔ کیا عجب ہے کہ وہ علامہ سے ان کی مثنوی سنتے ہوں۔ البتہ قابلِ غور اَمر یہ ہے کہ حضرت قلندر کی مثنوی میں لفظ خودی کا استعمال ایک استثنٰی ہے کیونکہ اسی زمانے میں حضرت بو علی قلندر کا یہ شعر بھی ان کی نظر سے گذرا ہو گا۔

کشف دانی چیست؟ عالی ہمتی

(۳۲)مردِ ره نبود بجز زورِ خودی

اکتوبر ۱۸۹۶ء میں حضرت علامہ اقبال کی رسالہ "مجلس کشمیری مسلمانان" لاہور میں چھپنے والی اُردو نظم "ہمت" کا آخری شعر فارسی میں ملتا ہے۔

عمریست دلِ ناز کہ ایں ولولہ دارد

(۳۳)نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

لاہور کے زمانۂ طالب علمی (۱۸۹۶ء) کے دور کے کلام اور بعض واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اقبال 'اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کافی عقیدت رکھتے تھے کیونکہ اقبال اپنے مخصوص خاندانی پس منظر اور مزید مولوی میر حسن کی بدولت شروع ہی سے ذاتِ رسالتِ مآب ﷺ اور اہل بیت اور اولیاء اللہ سے عقیدت و محبت کے اس رجحان کی مزید تقویت اور فروغ کے لیے اپنے دوست میر نیرنگ کے ساتھ لاہور میں ان مجالس عزا میں ضرور شریک ہوتے ہوں گے جو قزلباش خاندان کے ممتاز رؤسا، نواب فتح علی خاں اور نواب محمد علی خاں کے زیر اہتمام چوک متی میں منعقد ہوا کرتی تھیں غالباً ان محفلوں سے متاثر ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں ان مجالس سے وابستگی ان کی ذہنی پرداخت پر خاصی حد تک اثر انداز ہوئی ہوگی یہی وجہ ہے کہ نعتیہ مضامین ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت سے وابستگی کا اظہار واضح طور پر ان کے یہاں دکھائی دیتا ہے۔ بقول افتخار احمد صدیقی: "اس دور میں متصوّفانہ عقائد و روایات کے مطابق اقبال کا یہ بھی ایمان ہے کہ حضور ﷺ کے داستانِ عشق و معرفت سے زیادہ فیض یاب ہوا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات اقدس ہے۔ چنانچہ اس دور میں عشق رسولؐ اور حب اہل بیتؓ اور خصوصاً حُبِّ حضرت علیؓ کا مضمون بہ تکرار بیان ہوا ہے جسے ان کی ابتدائی غزلوں، نظموں میں دیکھا جاسکتا ہے۔" (۳۴)

اسی دور میں علامہ نے شاید ۱۸۹۶ء میں ایک فارسی نظم "سپاس جناب امیرؓ" کہی جو وظیفے کے طور پر معمول کے مطابق صبح کے وقت پڑھا کرتے تھے جس سے ان کی فارسی شاعری کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ نظم بعد میں "مخزن" (۱۹۰۵ء) میں شائع ہوئی۔ جس پر "مخزن" کا ادارتی نوٹ شائع ہوا۔

"ذیل کی نظم درج کرکے آج ہم ان احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لیے اکثر دفعہ اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ یہی نظم بااعتبار عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں" ۔(۳۵)

اس تمہیدی نوٹ سے معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں اہل ذوق مدیر مخزن کو لکھا کرتے تھے کہ اقبال کا فارسی کلام بھی شائع کیجیے۔ احباب کے اصرار کا یہ نتیجہ نکلا کہ اقبال نے مندرجہ ذیل نظم اشاعت کے لیے عنایت فرمائی۔'فارسی نظمیں عموماً" مخزن "میں شامل نہیں ہوتیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ نظم کافی عرصہ پہلے لکھ چکے تھے جسے احباب کے اصرار کے بعد "مخزن" میں اشاعت کے لیے دے دیا۔ یہ نظم روحانی طور پر "مجھ پر شعر وارد ہی فارسی میں ہوتا ہے۔" (۳۶) کے مصداق کشف وواردات کا نتیجہ ہے۔ جیسے "اسرارِ خودی" مولانا رومؒ نے بحالتِ خواب مثنوی لکھنے کی ہدایت فرمائی۔ (۳۷) بقول خواجہ حسن نظامی: ڈاکٹر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں "اقبال مثنوی لکھو۔۔" آنکھ کھولی تو زبان پر شعر تھے، (۳۸) بعینہٖ اسی طرح جناب امیرؓ نے بحالتِ خواب "سپاس جناب امیرؓ" لکھوائی۔ اس بیان کی کہیں شہادت تو نہیں ملتی لیکن بعض بیانات سے اس اَمر کی تائید کی تصدیق کی جاسکتی ہے کہ جس طرح "رموزِ بےخودی" کے شعر "گل ز خاک راہ او چیدم بہ خواب" میں سید سلیمان ندوی کے اعتراض پر جواباً علامہ نے فرمایا: "یہ واقعہ خواب کا ہے جو کچھ خواب میں دیکھا گیا بعینہٖ نظم کر دیا گیا۔" (۳۹) اس طرح یہ نظم بھی انھی روحانی اور رفیضانی لمحات کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ بقول اقبال: "جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اُترنے لگتے ہیں اور میں انھیں بعینہٖ نقل کرلیتا ہوں۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے ان اشعار میں کوئی ترمیم کرنا چاہی لیکن میری ترمیم اصل اور ابتدائی نازل شدہ شعر کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آئی اور میں نے شعر کو جوں کا توں بر قرار رکھا۔" (۴۰) اس طرح علامہ نے بھی اس نظم میں کوئی ترمیم یا اضافہ کیے بغیر اس کا دوسرا حصہ "عشق" کے عنوان سے "پیامِ مشرق" (۱۹۲۳ء) میں شائع کیا۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی بجا طور پر اس نظم کو اقبال کے فنی ارتقا میں سنگِ میل سمجھتے ہیں' اور واقعی ہی اس نظم میں فکری اور فنی پختگی اس قدر تھی کہ بعد میں اس کو "پیامِ مشرق" میں اشاعت کے قابل سمجھا۔ علامہ نے ۱۹۰۰ء میں "مثنوی عقدِ گوہر" کی دو منظوم اشاعتی تواریخ کہیں جو کہ فارسی زبان میں ہیں۔ (۴۱)

(ا) (ب)

مرحبا اے ترجمانِ مثنوی معنوی
ہست ہر شعر تو منظورِ نگاہِ انتخاب
از پئے نظارۂ گلدستۂ اشعارِ تو
حسنِ گویائی ز روئے خویش بردارد نقاب

بہرِ سالِ طبعِ قرآنِ زبانِ پہلوی
"بلبل دل می سراید "تلک آیات الکتاب

۱۳۱۷ھ

کتابِ مولویِ معنوی را
شفیقِ ما چو در اردو رقم کرد
زباں را نقش کرد از تیر غفلت(کذا)
مصون چوں طائرِ بامِ حرم کرد
سروشِ دل رقم زد بہرِ تاریخ
(۴۲)خیابانے ز بستانے عجم کرد

۱۳۱۷ھ

۱۹۰۰ء میں اقبال نے اُردو نظم "نالۂ یتیم" (۴۳) کہی جو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس میں پڑھی اس میں ایک شعر فارسی کا ملتا ہے۔

اے مددگارِ غریباں اے پناہِ بے کساں
اے نصیر عاجزاں! اے مایۂ بے مایگاں

اور ایک شعر بطور تضمین حافظ کی ایک غزل کے مطلع کے طور پر سامنے آتا ہے۔

دوستی از کس نمے بینیم یاراں را چہ شد"
"دوستی کو آخر آمد دوستداراں را چہ شد

"نالۂ یتیم" کے چند اشعار ایسے ہیں کہ ان میں ایک حرف تبدیل کر دیں تو شعر فارسی کا بن جاتا ہے جس کی مثالیں درج ذیل ہیں

قابلِ عشرت دلِ خو کردۂ حسرت نہیں

در خورِ بزمِ طرب شمعِ سرِ تربت نہیں

لذتِ رقصِ شعاعِ آفتابِ صبح دم

یا صدائے نغمۂ مرغِ سحر کا زیر و بم

نظم "خداحافظ "مئی ۱۹۰۰ء میں منشی محبوب عالم کے یورپ روانہ ہونے پر کہی گئی تھی اس میں ایک فارسی شعر بطور تضمین ملتا ہے۔

آں چہ دانا کند، کند ناداں

(۴۴)لیک بعد ہزار رسوائی

نظم "یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے "(۱۹۰۱ء) میں کہی گئی۔ اس میں کل پندرہ بند ہیں اور ہر بند کے کئی مصاریع فارسی کے ہیں اور نظم کے گیارہویں بند کا آخری شعر حافظ کی تضمین کے طور پر ملتا ہے۔)۴۵(

بند اوّل:

ـ اے گریبانِ جامۂ شبِ عید

ـ اے نشانِ رکوعِ سورۂ نور

ـ اے جوابِ خطِ جبینِ نیاز

بند دوم:

ـ کحلِ محراب ہر جبینِ نیاز

ـ اے مہِ نو ترا پیامِ طرب

بند سوم:

؎ اے گدائے شعاعِ پرتوِ مہر

بند ششم:

؎ اے سبوئے مئے شفق، اے شام

بند دہم:

؎ مایۂ صد شکستِ قیمتِ دل

؎ شورِ آوازِ چاکِ پیراہن

بند یاز دہم:

اہلِ دنیا و شرحِ دردِ جگر"

"رگِ بے خون و کاوشِ نشتر

بند داوز دہم:

؎ آہ اے چشمِ اشک ریزِ یتیم

بند سیز دہم:

؎ ہائے اے آتشِ فراقِ پدر

بند پانز دہم:

صورتِ شمعِ خانۂ مفلس

نظم "اشکِ خوں"(۱۹۰۱ء) ملکہ وکٹوریہ کے انتقال ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء میں لکھی گئی۔ ۲۳ یا ۲۴ جنوری کی ماتمی تقریب میں پڑھ کر سنائی گئی جو کہ دس بندوں پر مشتمل ہے جس کے کافی مصرعے اور کچھ بندوں کے آخری اشعار فارسی میں ہیں جبکہ نظم کا ساتواں بند بطور تضمین ملتا ہے۔(۴۶)

بند اوّل:

؎ اے دامنِ دریدۂ پیراہنِ حیات

؎ اے کرسیِ طلائے شہی سوگوار

؎ مرہونِ تلخیِ ستمِ روز گار

بند دوم:

؎ ہاں اے شعاعِ ماہِ شبِ اوّل طرب

بند ششم:

؎ اے شمعِ بزمِ ماتمِ سلطانۂ جہاں

بند ہفتم:

آہم چو سرد در چمن روز گار ماند"

"ایں مصرع بلند ز من یاد گار ماند

بند دہم:

؎ وکٹوریہ نمرُد کہ نام نکو گذاشت

علامہ اقبال نے کتاب "شالامار باغ کی سیر"(۱۹۰۱ء) کی اشاعت پر مادہ تاریخ پر ایک فارسی قطعہ کہا جو درج ذیل ہے۔(۴۷)

حسنِ سعیِ فوق را صد مرحبا

ہست ہر سطر کتابش دل ربا
از "سرِ نازش" پئے تاریخ او
"می سزد "تصویرِ باغِ جاں فزا

۱۸۵۱ + ۵۰ = ۱۹۰۱ء

سر عبد القادر کو جنوری ۱۹۰۱ء کی نظم "ہمالہ" کے جن دو نمایاں پہلوؤں کا احساس ہوا، ان میں سے ایک اہم پہلو نظم کی "فارسی بند شیں" تھا۔ ان اُردو نظموں میں متعدد فارسی مصرعے اور بعض جگہ پورے کے پورے فارسی شعر موجود ہیں۔ فروری ۱۹۰۲ء کو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں علامہ اقبال نے "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے" کے زیر عنوان ایک نظم پڑھی۔ یہ نظم ۹ بندوں پر مشتمل تھی۔ پہلے آٹھ بندوں میں سے ہر ایک بند کا اختتام فارسی شعر پر ہوتا ہے اور نواں بند پورا فارسی میں ہے جن کی تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔(۴۸)

بند اوّل:

صبر را از منزلِ دل پابجولاں کردہ ام
گیسوئے مقصود را آخر پریشاں کردہ ام

:بند دوم

باز اعجازِ مسیحا را ہویدا کردہ ام
پیکرے را بازبانِ خامہ گویا کردہ ام

:بند سوم

یوسف علم استم و پنجاب کنعان من است

از دمیدِ صبحِ حکمت چاکِ دامانِ من است

:بند چہارم

از خُمِ حکمت بروں کردم شرابِ ناب را

ہاں، مبارک سر زمینِ خطۂ پنجاب را

:بند پنجم

گوش را جویائے آوازِ غریباں کردۂ

شانہ را مائل بہ گیسوئے پریشاں کردۂ

:بند ششم

روشن از نورِ مہِ حکمت شبستانِ من است

کآں دُرِ گم گشتۂ مومن بدامانِ من است

:بند ہفتم

خویش را مسلم ہمی گویند و با ماکار نیست

رشتۂ تسبیحِ شاں جز رشتۂ زُنّار نیست

:بند ہشتم

اے کہ حرف اطلبوا لو کان بالسّین گفتہ ای

گوہرِ حکمت بہ تارِ جانِ امّت سفتہ ای

:بند نہم

اے کہ بر دلھا رموزِ عشق آشاں کردۂ ای
سینہ ہا را از تجلّی یوسفستاں کردہ ای
اے کہ صد طور است پیدا از نشانِ پائے تو
خاکِ یثرب را تجلّی گاہِ عرفاں کردہ ای
اے کہ ذاتِ تو نہاں در پردۂ عینِ عرب
روے خود را در نقابِ میم پنہاں کردہ ای
اے کہ بعد از تو نبوّت شد بہ ہر مفہوم شرک
بزم را روشن ز نورِ شمعِ ایماں کردہ ای
اے کہ ہم نامِ خدا، بابِ دیارِ علم تو
اُمّیے بودی و حکمت را نمایاں کردہ ای
آتشِ الفت بہ دامانِ ربوبیت زدی
عالمے را صورتِ آئینہ حیراں کردہ ای
فیضِ تو دشتِ عرب را مطمحِ انظار ساخت
خاکِ ایں ویرانہ را گلشن بداماں کردہ ای
دل نہ نالد در فراقِ ماسوائے نورِ تو
خشک چوبے را ز ہجر خویش گریاں کردہ ای
گل فرستادن بہ بحرِ بے کراں می زیبدش

قطرۂ بے مایہ را ہم دستِ طوفاں کردہ ای

بے عمل را لطف تو لا تقنطوا آموز گشت

بسکہ وا بر ہر کسے بابِ دبستاں کردہ ای

ہاں دعا کن بہرِ ما، اے مایۂ ایمانِ ما

پُر شود از گوہرِ حکمت سرِ دامانِ ما

ان مذکورہ بالا اُردو نظموں میں کافی فارسی اشعار، مصرعے، فارسی بند شیں اور ترکیبیں اور بحیثیت مجموعی پختہ فارسی رنگ موجود ہے ۔اس رنگِ سخن میں مزید مولانا گرامی سے ملاقاتوں اور ان کی صحبتوں کے اثرات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں اقبال کے ہاں مولانا گرامی کے قیام کی شہادت ملتی ہے۔ ان مجلسوں اور صحبتوں سے یقیناعلامہ اقبال کی فارسی شعر گوئی کا رجحان بڑھتا گیا۔ اقبال نے اگرچہ طالبِ علمی کے زمانہ سے اب تک برابر کلاسیکی شاعری کا مطالعہ جاری رکھا لیکن ایسے بزرگ شاعر و فنکار کی صحبت سے یقیناً اُن کے فارسی کے ذوقِ سخن کو جلا بخشی ہو گی جو کہ بقول غلام رسول مہر "کلاسیکی فارسی شاعری کے کامل الفن اداشناسوں میں سے تھا۔ "(۴۹)

مئی ۱۹۰۳ء کے "مخزن" میں "اہلِ درد"(۵۰) کے عنوان سے جو طویل دو غزلہ (۱۴۔ اور ۱۷ اشعار پر مشتمل ہے) فارسی میں ہے۔ اس کے علاوہ" فریاد اُمت"(۱۹۰۳ء) (۵۱)، "دربارِ بہاول پور"(نومبر ۱۹۰۳ء)(۵۲) "گل خزاں دیدہ"(۱۹۰۳ء)(۵۳) "قطرۂ اشک"(۱۹۰۳ء)(۵۴) میں فارسی اشعار کے علاوہ فارسی تراکیب اور بندشوں کا استعمال بکثرت نظر آتا ہے۔ ان میں واضح طور پر احساس ہوتا ہے کہ اقبال کے ہاں فارسی گوئی کا رجحان تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ اس نظم کے ہر بند کا آخری شعر اور گیارہ اشعار پر مشتمل آخری پورا بند فارسی میں ہے۔ اُسی زمانے کی، منشی سراج الدین کو مرسلہ ۲۳ اشعار کی ایک نظم "شکریہ انگشتری" (۵۵) کے سولہ اشعار فارسی میں ہیں اور بقیہ سات اُردو اشعار پر بھی فارسیت کا غلبہ ہے۔ کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ چھ اشعار لکھنے کے بعد، اُردو، اظہارِ خیال و جذبات میں مانع ہوئی، لہٰذا ساتویں شعر میں شاعر نے قافیہ بدل کر "فارسی میں نغمہ خواں"(۵۶) ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اُردو کی نسبت فارسی میں زیادہ "شرح صدر" کے ساتھ اظہارِ جذبات کیا گیا ہے۔

غرض یہ کہ یہی وہ فطری اور اکتسابی اثرات ہیں جو علامہ کے کلام میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے رہے یا کہیں فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کی شکل میں، کہیں فارسی مصرعوں اور فارسی اشعار کے روپ میں اور کہیں فارسی اشعار کی تضمینوں کے لباس میں اور کہیں فارسی

شعر اً کے قطعات اور غزلوں کے اتباع میں قطعات اور غزلیں لکھنے کے پیرائے میں ملتے ہیں۔ لہٰذا فارسی شعر گوئی کا نقطۂ آغاز ۱۸۹۶ء میں نظم "سپاس جناب امیر" اوراسی دور کی ایک اور نظم "ہمت" کے آخری شعر جو کہ فارسی میں ہے' سے ہوتا ہے۔ سید نذیر نیازی کے اس بیان کا کہ "فارسی شعر گوئی کا آغاز سیالکوٹ سے ہوا" اور سر عبدالقادر کے اس بیان کی کہ "فارسی شعر گوئی کا آغاز ان دو غزلوں سے ہوا جو انھوں نے ۱۹۰۷ء میں عطیہ فیضی کو بھیجیں' 'کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے کیونکہ اقبال کی فارسی شعر گوئی کا آغاز انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اَمر کی تائید ہوتی ہے کہ فارسی میں حضرت علامہ کی شاعری کا آغاز کا زمانہ اُردو میں شاعری سے زیادہ مؤخر نہیں ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سلطان محمود حسین: ڈاکٹر سید اقبال کی ابتدائی زندگی،(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۸۶ء)، ص ۱۷

۲۔ سید نذیر نیازی: دانائے راز،(لاہور:، اقبال اکادمی پاکستان،۱۹۸۸ء)، ص ۱۷

۳۔ دیباچہ: بانگ درا، ص ۱۶

۴۔ عطیہ فیضی: اقبال،(کراچی: اقبال اکادمی،۱۹۵۹ء) ص ۸۴

۵۔ ایضاً، ص ۲۷

۶۔ دیباچہ: بانگ درا، ص ۱۲

۷۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال :اسرارِ خودی،(لاہور:، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء)، ص ۹

۸۔ دیباچہ: بانگ درا، ص ۱۷

۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، : تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ،(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۲ء)، ص ۸۸

۱۰۔ جعفر بلوچ: اقبال اسد ملتانی،(لاہور: مکہ بکس، ۱۹۸۴ء)، ص ۸۴

۱۱۔ ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین: اقبال کی ابتدائی زندگی،(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء)، ص ۲۱

۱۲۔ ایضاً ، ص ۱۷۸

۱۳۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال: بانگِ درا،(لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز،۱۹۷۷ء)، ص ۷۵

۱۴۔ شیخ عطاء اللہ: اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال) حصہ اول، (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۴ء)، ص ۷۵

۱۵۔ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی: روایاتِ اقبال، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۱

۱۸۔ عبد السلام ندوی: اقبال کامل، اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۴۸ء، ص ۵۵

۱۹۔ شیخ عطاء اللہ: اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال) حصہ اول، شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۴۴ء، ص ۱۷۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۲۱۔ محمود نظامی: ملفوظاتِ اقبال، (لاہور: اشاعت منزل، ۱۹۴۹ء)، ص ۱۱۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۷

۲۴۔ دیباچہ: بانگ درا، ص ۱۹

۲۵۔ محمود نظامی: ملفوظاتِ اقبال، ص ۸۱

۲۶۔ ایضاً، ص ۶۴

۲۷۔ حمید احمد خان، ڈاکٹر: اقبال شخصیت اور شاعری، (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۲ء)، ص ۴۴

۲۸۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال: بانگ درا، (لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۲۸ء)، ص ۶۴

۲۹۔ سید عبد الواحد معینی: باقیاتِ اقبال، (کراچی: طبع اول، مجلسِ اقبال، ۱۹۵۳ء)، ص ۱۸

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۱

۳۱۔ ایضاً، ص ۲۱

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۳۳۔ افتخار صدیقی، ڈاکٹر: عروجِ اقبال، (لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۸۸ء)، ص ۷۸

۳۴۔ غلام رسول مہر: سرودِ رفتہ، (لاہور: کتاب منزل ۱۹۵۹ء) ، ص ٦۵

۳۵۔ ڈاکٹر افتخار صدیقی: عروجِ اقبال، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۴۵

۳٦۔ مخزن: لاہور، ۱۹۰۵ء ، ص ۵

۳۷۔ شیخ عطاء اللہ، اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال) حصہ اول، شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۴۴ء، ص ۱۴۴

۳۸۔ ایضاً، ص ۵۷

۳۹۔ توحید: میرٹھ، ۱۹۱۳ء،

۴۰۔ ڈاکٹر صابر کلوروی: کلیات باقیات شعر اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۸

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۵

۴۲۔ ایضاً، ص ۳۱

۴۳۔ ایضاً، ص ۳۰

۴۴۔ ایضاً، ص ۲٦

۴۵۔ ایضاً، ص ۴۷

۴٦۔ ایضاً، ص ۳٦

۴۷۔ ایضاً، ص ٦۵

۴۸۔ ایضاً، ص ۳۷۸

۴۹۔ ایضاً، ص ۸٦

۵۰۔ ایضاً، ص ٦۸

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۲

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۴

۵۳۔ ایضاً، ص ۳٦

۵۴۔ ایضاً، ص ۴۴

۵۵۔ ایضاً، ص ۵۵

۵۶۔ ایضاً، ص ۳۷۰

ماخذات:

افتخار صدیقی، ڈاکٹر: عروجِ اقبال، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۸ء

جعفر بلوچ: اقبال اسد ملتانی، لاہور: مکہ بکس، ۱۹۸۴ء

چغتائی، ڈاکٹر عبد اللہ: روایاتِ اقبال، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء

حمید احمد خان، ڈاکٹر: اقبال شخصیت اور شاعری، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۲ء

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر: تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۲ء

سلطان محمود حسین: ڈاکٹر سید اقبال کی ابتدائی زندگی، لاہور:، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء

سلطان محمود حسین، ڈاکٹر سید: اقبال کی ابتدائی زندگی، لاہور:، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء

شیخ عطاء اللہ: اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال) حصہ اول، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۴ء

شیخ عطاء اللہ: اقبالنامہ (مجموعہ مکاتیبِ اقبال) حصہ اول، شیخ محمد اشرف لاہور، ۱۹۴۴ء

صابر کلوروی، ڈاکٹر: کلیات باقیات شعر اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء

عطیہ فیضی: اقبال، کراچی:، اقبال اکادمی، ۱۹۵۹ء

محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر: بانگِ درا، لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء

محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر: بانگ درا، لاہور: شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۲۸ء

محمد اقبال، علامہ ڈاکٹر: اسرارِ خودی، لاہور:، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، ۱۹۷۷ء

محمود نظامی: ملفوظاتِ اقبال، لاہور: اشاعت منزل، ۱۹۴۹ء

معینی، سید عبد الواحد: باقیاتِ اقبال، کراچی: طبع اول، مجلسِ اقبال، ۱۹۵۳ء

مہر، غلام رسول: سرودِ رفتہ، لاہور: کتاب منزل ۱۹۵۹ء

ندوی، عبد السلام: اقبال کامل، اعظم گڑھ: مطبع معارف ،۱۹۴۸ء

نذیر نیازی، سید، دانائے راز، لاہور: ، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۸ء